سید ضمیر جعفری کی شاعری: قومی اور عسکری حوالے سے

ڈاکٹر محمد اشرف کمال

Dr. Muhammad Ashraf Kamal,

Head of Urdu Department,

Govt. Post Graduate College, Bhakkar.

Abstract:

Syed Zamir Jafri was a famous poet of Urdu. He was born first January 1916 in village, Chak Abdul Khaliq, located near Dina, and died on 12 May 1999. He was a best known Pakistani poet for his Urdu humorous poetry. Syed Zamir Jafri was not only a Urdu writer and humorous poet but also belonged to Pakistan army. In his poetry there are different dimensions and colors of poetic ideas and topics full of life.

سید ضمیر جعفری جہلم سے چودہ کلومیٹر دور ایک گاؤں چک عبدالخالق میں یکم جنوری ۱۹۱۶ء کو پیدا ہوئے۔ منگلا اور دینہ کی وادی میں واقع یہ گاؤں سید ضمیر کے مورثِ اعلیٰ سید عبدالخالق نے شیر شاہ سوری کے دور میں آباد کیا تھا۔

سید ضمیر جعفری کا تعلق فوج سے تھا، مختلف عہدوں پر کام کرتے رہے اور میجر کے رینک پر ۱۹۶۶ء میں ریٹائر ہوئے۔ اسی لیے جہاں ان کی زندگی کے شب و روز ایک فوجی افسر کے معاملات کی آئینہ داری کرتے ہیں وہاں اُن کی ادبی تحریریں اور یادداشتیں سیاسی سماجی اور عسکری حوالے سے بھی اہمیت کی حامل ہیں۔

ان کی شعری کتب میں کارزار (نظمیں)، لہوترنگ (ترانے)، مافی الضمیر (مزاح)، زبوروطن (ملی نظمیں)، ارمغان ضمیر (حمد، نعت، منقبت)، میرے پیار کی زمین (ملی نظمیں)، مسدسِ بدحالی (۱۹۷۹ء)، آگ اک تارہ، کھلیان، ضمیریات، قریۂ جاں (سنجیدہ کلام)، ضمیر ظرافت، نعت نذرانے، نشاط تماشا (مزاح) بھنور اور بادبان، بن بانسری، من مندری، خوش کشید، سُرگوشیاں (مزاح)، ضمیر زاویے (۲۰۰۷) شائع ہوئیں۔ منظوم تراجم بھی شائع ہوئے۔ ولائتی زعفران، من میلا، من کے تار، وہ پھول جن کے نام نہیں، گورخندو غیرہ۔

ان کے کالم نظر غبارے کے نام سے شائع ہوئے۔ ان کی نثری کتابوں میں اڑتے خاکے، کتاب ءِ چہرے، حفیظ نامہ، میٹھا پانی، صفر نامہ + خسر نامہ، سورج میرے پیچھے، کنگرو کے دیس میں، ضمیر حاضر ضمیر غائب، بھید بھرا شہر، عالمی جنگ کی دھند میں، نشانِ منزل، سوزِ وطن، پہچان کا لمحہ، جدائی کا موسم، مسافر شہر نو، شاہی حج، سفر لکیر وغیرہ۔(۱)

انھوں نے دوسری جنگ عظیم میں بھی حصہ لیا اور تمام تبدیلیوں کو دیکھا بھی اور محسوس بھی کیا۔ اور ان واقعات کو اپنے قلم سے محفوظ بھی کیا۔ ساتھ ساتھ انھوں نے ان واقعات کا تجزیہ بھی پیش کیا جس کی وجہ سے قاری کو بات سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

ضمیر جعفری نے فوجی زندگی اور شخصیات کو متوازن مزاجی سے دیکھا اور اپنے مخصوص انداز میں اس پر تبصرہ کیا۔(۲)

جہاں انھوں نے اور بہت سی خدمات سرانجام دی وہاں وہ ایڈیشنل چیف کمشنر برائے افغان مہاجرین بھی خدمات انجام دیتے رہے۔(۳)

ان کی تصانیف میں وطن کی محبت اور وطن کے جیالے جوانوں کے جذبوں اور ہمت و حوصلے کو جگہ جگہ پیش کیا گیا ہے:

> ''ایک بات واضح طور پر نظر آتی ہے اور وہ ہے ضمیر جعفری کی وطن سے بے پناہ محبت۔ وطن کی اس محبت میں ضمیر کی شخصیت کے تین روپ باہم جلوہ نما ہیں۔ ایک عام شہری، دوسرے سپاہی اور تیسرے شاعر۔''(۴)

ان کی کتاب ''کارزار''(۵) قیامِ پاکستان سے پہلے شائع ہوئی۔ یہ کتاب عسکری نظموں پر مشتمل ہے۔''لہو ترنگ''(۶) میں ملی نغمے اور ترانے شامل ہیں۔ ان ملی نغموں اور ترانوں سے وطن کی مٹی سے محبت جھلکتی ہے۔ لہو ترنگ کی نظموں میں وطن پر قربان ہو جانے کا جذبہ سر اٹھائے کھڑا ہے۔ جو دشمن کے لیے تڑپتی بجلیوں، گولے اگلتی توپوں اور بارش کی طرح برستے تیروں کی طرح ہے۔ سید ضمیر جعفری کی قومی و عسکری شاعری اردو ادب میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔(۷)

وہ پہلے سپاہی تھے اور بعد میں کچھ ان کی زندگی ایک ڈسپلن اور مقصد کے لیے بسر ہوئی۔ اسی طرح ان کی تحریریں بھی ان کی اپنی عسکری خدمات سے اخلاص کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اپنی کتاب ''لہو ترنگ'' کی ابتدا میں اس کتاب کے مشمولات پر روشنی ڈالتے ہوئے سید ضمیر جعفری لکھتے ہیں:

> ''میرا نصب العین میدانِ جنگ کی نقشہ آرائی نہیں سپاہی کی زندگی اور شخصیت ہے۔ اس کے محسوسات اور جذبات ہیں۔ میں جتنا سپاہی ہوں اتنا ''باقاعدہ شاعر'' نہیں ہوں۔ فوج میری زندگی ہے۔''(۸)

یہ مٹی ماں ہے، اس کی آن اپنی جان سے پیاری ہے
زمینِ پاک کی خاکِ شفا سے عہد ہے اپنا

ان کی ایک اور کتاب ''میرے پیار کی زمین''(۹) کا انتساب ان کے سپاہی بیٹے کے نام ہے۔ اس میں جنگی ترانے بھی ہیں ملی نغمے بھی اور سانحہ سقوطِ ڈھاکہ کے حوالے سے بھی نظمیں موجود ہیں:

حیات ہے جو قوم کی
وہ جوش وہ لہو ہو تم

(نظم ہماری روشنیاں، میرے پیار کی زمین، ص ۲۸)

''گنر شیر خان''(۱۰) ایک ایسی مثنوی ہے جس میں فرض شناس اور جاں نثار سپاہی شیر خان کی شہادت کی داستان منظوم کی گئی ہے اس کا پس منظر بھی سقوطِ ڈھاکہ ہے۔ اس مثنوی میں انھوں نے مشرقی پاکستان میں پیش آنے والے حالات و واقعات سے پردہ اٹھایا ہے۔

ملی شاعری پر مبنی ان کا تیسرا مجموعہ ''زبورِ وطن''(۱۱) کے نام سے ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب کے ہر لفظ میں وطن

عزیز سے محبت کی زبان بولتی ہے۔ان کی ایک اور ملی نغموں پر مبنی کتاب ''گہوارہ'' کے نام سے سامنے آئی۔اس کتاب میں بچوں کے لیے نغمے لکھے گئے ہیں۔ان کی کتاب ''قریۂ جاں''(۱۲)میں جہاں کچھ پرانا کلام ہے، وہیں نیا کلام بھی شامل کیا گیا ہے۔اس کتاب میں بھی انھوں نے ملی اور جنگی ترانے شامل کیے ہیں:

ہر دل کی اک دھڑکن لوگو!
مری پاک زمیں ، میرا دھن لوگو!
یہ چاندی ، سونا چن لوگو
(قریۂ جاں،ص۶۰)

ان کی ایک اہم کتاب 'بھنور اور بادبان'' سیاسی اور جنگی نظموں پر مبنی ہے۔جس میں ملکی اور بین الاقوامی معاملات کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔اس کتاب کا انتساب بریگیڈئیر فاروق احمد کے نام سے جنھوں نے ۱۹۶۵ء کی جنگ میں بہادری کے کارنامے سرانجام دیے۔

اسی طرح ''جنگ کے رنگ''، حرف وحکایت، ملایا اور اس کے لوگ، بکنار ما، کتابی چہرے، گورے کالے سپاہی، ضمیر حاضر ضمیر غائب، میٹھا پانی، نظر غبارے، آخری سیلوٹ، سورج میرے پیچھے، عالمی جنگ کی دھند میں، بھید بھرا شہر، نشان منزل، سوز وطن، مسافر شہر نو، پہچان کا لمحہ، جدائی کا موسم، سفر لکیر، کنگرو کے دیس میں جیسے کتابیں فوج کے حوالے سے ان کی خدمات اور خیالات وافکار اور حالات وواقعات کے تناظر میں اہمیت کی حامل ہیں۔

''جنگ کے رنگ''میں انھوں نے جس طرح دوسری جنگ عظیم کے حوالے سے حقائق بیان کیے ہیں وہ تاریخی حوالے سے اہمیت کے حامل ہیں:

''یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو جرمنی کا پولینڈ پر حملہ کرنا جنگ کا فوری باعث ہوا۔ برطانیہ اور فرانس معاہدے کی رو سے پولینڈ کی مدد پر مجبور تھے چنانچہ ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو برطانیہ اور فرانس نے بھی جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور اس طرح وہ ہولناک آگ بھڑک اٹھی جو برابر پانچ سال تک کرۂ ارضی کی بیشتر وسعتوں کو شعلہ زار بنائے رہی۔''(۱۳)

وہ کبھی کبھی روزانہ یادداشتوں کی صورت میں ضروری باتیں اور اہم واقعات کو درج کرتے رہتے تھے۔جن سے اس دور کی تاریخ پر روشنی ڈالنے میں آسانی پیدا ہوتی ہے۔وہ اپنی یادداشتوں کے حوالے سے شائع ہونے والی کتاب ''عالمی جنگ کی دھند میں''۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کے دن لکھتے ہیں:

''جنگ آتی نظر آرہی تھی، مگر ہمارے حکمران اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ بھارت اپنی کارروائی کو کشمیر کے علاقے تک محدود رکھے گا۔اس سادہ لوحی کے کیا کہنے۔آج نمازِ فجر سے قبل صبح کاذب کے اندھیرے میں بھارت کی فوجیں بیک وقت کئی مقامات سے پاکستان کی حدود میں داخل ہوگئیں۔دشمن ہماری سرحدوں میں گھس آیا تو ہے مگر جنرل بے انت ناتھ چوہدری کی یہ ''بڑھک'' کہ ہم شام کی شراب کا پیگ (جرعہ) لاہور کے جم میں

پٹیں گے، خاک میں مل گیا۔''(۱۴)

اگر ہم تاریخ کو پڑھیں تو اسی قسم کی باتیں اس وقت کی تاریخ میں لکھی نظر آتی ہیں، مگر ہو سکتا ہے کہ وہ تاریخی انداز میں گھما پھرا کر لکھی گئی ہوں جب کہ سید ضمیر جعفری نے بے تکلفی میں ان اہم باتوں کو اپنی یادداشتوں کا حصہ بنا دیا:

بھارتی مسلح افواج کے سربراہوں کو پاکستان کے خلاف جنگی تیاریوں کا حکم دے دیا گیا تھا، جبکہ یحییٰ خان بھارتی وزیر اعظم کے ہاتھوں سیاسی طور پر بے بس ہو چکے تھے۔''(۱۵)

بھارت نے جو جنگ چھیڑی تھی اس میں اسے منہ کی کھانا پڑی۔ پاکستانی فوج نے ۳ بھارتی طیارے مار گرائے۔ پاک فضائیہ نے بھمب سیکٹر پر حملہ کیا اور جوڑیاں پر قبضہ کر کے پیش قدمی کرتے کرتے بھارت کا بہت سا علاقہ فتح کر لیا۔ پاکستان کی بری فوج نے کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ ۸ ستمبر کو بھارت نے جموں، سیالکوٹ سیکٹر میں ۳ نئے محاذ کھول لیے لیکن ہر جگہ اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ پاک فوج نے ۲۱ بھارتی ٹینکوں پر قبضہ کر لیا، سیالکوٹ میں پچاس ٹینک اپنے قبضے میں لے لیے اور بہت سی توپوں کو بھارتی فوج سے چھین لیا اور انڈیا کے راڈار سسٹم کو بھی تباہ کر دیا۔

۶ ستمبر کو ہندوستان نے اپنی فوجیں لاہور شہر میں داخل کر دیں تا کہ پاکستان کشمیر کے ساتھ ساتھ لاہور میں بھی مصروف ہو جائے اور اس کی توجہ کشمیر سے ہٹ جائے۔ ہندوستان نے پاکستان کے پورے مشرقی بارڈر کو اپنا نشانہ بنایا۔

ان کی غزلوں میں، نظموں میں اور ترانوں میں حوصلہ خون بن کے دوڑتا ہے۔ وہ اپنے لفظوں سے فوجی جوانوں کے حوصلوں کی اس انداز میں تاریخ رقم کرتے ہیں کہ لفظوں میں جان ڈال دیتے ہیں۔

گھاؤ کس دھج سے کھائے، کس چھب سے صدمے جھیلے ہیں
جیون بازی ہار گئے پر کھیل تو ستھرا کھیلے ہیں

وہ چاہے کسی بھی موضع پر قلم اٹھائیں، جہاں موضوع کو مدنظر رکھتے ہیں، وہاں معیار کو بھی برقرار رکھنے کوشش کرتے ہیں۔ اسی لیے ان کی شاعری میں تازگی کا عنصر زیادہ ہے۔ بقول وزیر آغا:

''ضمیر جعفری کا مشاہدہ تیز اور بکھرا ہوا ہے۔۔۔ وہ غزل لکھ رہے ہوں یا مضمون ان کے یہاں ادب کا اعلیٰ معیار سدا برقرار رہتا ہے۔'' ایک سپاہی'' کے نام سے انھوں نے جو مضامین لکھے تھے ان کا ذائقہ آج بھی لبوں پر بالکل تازہ ہے۔''(۱۶)

ان کی شاعری اجالوں کا سفر ہے۔ وہ ہر قسم کی تاریکی کے خلاف ہیں، وہ اپنے وطن کو جگمگ جگمگ دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ ایسے بہادر سپاہی کے خیالات اور جذبات رکھتے ہیں جس کے جذبے کبھی نہیں ہارتے:

روز سورج کو گھر اتاروں گا
رات سے میں کبھی نہ ہاروں گا

وہ ایک سچے فوجی کی طرح اپنے وطن کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔ انھوں نے جب بھی سوچا صرف اور صرف اپنے وطن کے بارے میں سوچا، وطن کی سربلندی کے لیے سوچا۔ ہمیشہ وطن سے محبت کی:

میری صبح ، میری شام
تیرے نام اے وطن

میرا دین ، دل ، یقین
میرا ذکر ، فکر ، دھیان

سید ضمیر جعفری وطن کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو ایک اعزاز سمجھتے ہیں نہ صرف مال و جان بلکہ وقت پڑنے پہ وطن کی سلامتی کے لیے اولاد کی قربانی دینے سے دریغ نہیں کرتے۔ ملٹری اکیڈمی کاکول میں کامیاب ہونے پر اپنے بیٹے سید احتشام ضمیر کے لیے لکھتے ہیں:

ہم نے بچپن میں تجھے پالا وطن کے نام پر
بارک اللہ آج دے ڈالا وطن کے نام پر
اے میرے نورِ نظر ، لختِ جگر ، جانِ پدر
میری شاخِ باثمر ، میرے دعائے بارور
پاک لشکر کا جواں بننا مبارک ہو تجھے
اپنا پرچم تھام کر چلنا مبارک ہو تجھے

وردی ان کے نزدیک ایک استعارہ ہے ملکی محافظوں کے وقار کا، وطن عزیز کے تشخص کی حفاظت ہے۔ ان کے نزدیک فوجی کی وردی ایک مقدس پیرہن ہے:

زندگی کا اس سے بڑھ کر بانکپن کوئی نہیں
تیری وردی سا مقدس پیرہن کوئی نہیں

گنتی کے چند لاکھ جوان وطنِ عزیز کی سرحدوں کے اندر کروڑوں لوگوں کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ انھی مجاہدینِ وطن کے لیے انھوں نے ترانے لکھے نغمے لکھے اور ان کے حوصلے بلند کیے:

جہاں گئے جدھر گئے
چراغ سے بکھر گئے
صداقتیں روایتیں
رفاقتیں اطاعتیں
حقیقتیں حکایتیں
انھی دیوں سے پُرفضا
مجاہدوں کی رات ہے
ہزار بات کی یہی
ضمیر ایک بات ہے
کہ اس طرح کی موت ہو
تو موت بھی حیات ہے
ثبات ہے دوام ہے

بہادرو سلام ہے

دلاورو سلام ہے

ان کے نزدیک زندگی فقط سانس لینے کا نام نہیں بلکہ مقصد کے حصول کا نام ہے۔ وہ مقصد کے حصول کے لیے جان لڑا دینے کو اہمیت دیتے ہیں۔ اپنی نظم ''آخری سلام'' میں اختر حسین ملک کی شہادت پہ اپنے جذبات کا اظہار کیا:

مٹ کے جو اک انمٹ روشنی بن گیا

مر کے جو اک امر زندگی بن گیا

فوجی جوان، مجاہد، سرحدوں کے محافظ کی زندگی ان کے خیال میں عام زندگی نہیں ہے۔ ایک جوان عام آدمی کی نسبت زیادہ بامقصد زندگی گزارتا ہے۔ ایک نظم ''مجاہدوں کی زندگی'' میں لکھتے ہیں:

اٹھان تیز عسکری

کمان تیغ بابری

جوان شیر حیدری

نشان سبز سروری

مجاہدوں کی زندگی

سکندری قلندری

بہادرو علیؑ علیؑ

دلاورو علیؑ علیؑ

ان کی شاعری میں وطن کے جیالوں کے لیے اعلیٰ قسم کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ وہ جگہ جگہ اپنے شعروں میں فوجی جوانوں کی عظمت کے نغمے گاتے ہوئے دکھائے دیتے ہیں:

اے جواں! اے وطن کے جیالے جواں

آن والے جواں! شان والے جواں

''شعلۂ رواں'' کے عنوان سے لکھی گئی ایک نظم میں لیفٹننٹ پرویز اسلام کی بہادری کو یوں سراہتے ہیں:

زخم زخم اس کا ٹینک

زخم زخم اس کا جسم

گام گام ہر گھڑی

موت سامنے کھڑی

کٹ چکی تھی ایک ٹانگ

ان کے خمیر میں وطن کی محبت رچی بسی ہے:

اے پاک وطن!

میں ساری دنیا گھوم آیا

کس موسم کی چھب ایسی ہے
یہ دھوپ بھی چھاؤں جیسی ہے
یہ مٹی ماؤں جیسی ہے

ان کی نظم ''گنر شیر خان'' جنگی اور ملکی تاریخ کا ایک اہم باب لیے ہوئے ہے ایک دردناک باب۔ ان کے نزدیک شکست موت سے بھی بدتر ہے، زندگی بھر کے لیے بدنامی کا داغ ہے۔ دشمن کے آگے ہتھیار ڈالنا ان کے نزدیک ایک جوان کا شیوہ نہیں ہے، ایسا کرنے سے جہاں فتح وکامرانی کے پرچم سرنگوں ہوجاتے ہیں وہاں جوانوں اور قوموں کے ضمیر پہ بوجھ بھی بڑھ جاتا ہے۔ شہزاد ادیب کے نزدیک:

''ادیب معاشرے کا انتہائی حساس فرد ہونے کی وجہ سے اپنے دور کے سماجی امور کے بارے میں دوسروں سے زیادہ ادراک رکھتا ہے اور اپنے دور کے بارے میں سوچتا اور محسوس کرتا ہے اسی لیے ہر دور اور ہر معاشرے میں ادیب ایک ذمہ دار اور محبِّ وطن شہری کی حیثیت سے اپنے دور کی سماجی اور سیاسی معاملات کے بارے میں اپنا مخصوص نظریہ اور مؤقف رکھتا ہے۔'' (۱۷)

۱۹۶۵ء کی جنگ کے واقعات ہوں کہ ۱۹۷۱ء میں سقوط مشرقی پاکستان کے ہولناک حالات، وہ بڑی ہمت سے ہر بات کہنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ شیر خان کے فوج میں آنے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

جواں خون جب موج میں آ گیا
تو وہ گاؤں سے فوج میں آ گیا
رہا جس میں مرنے تلک اس کا باپ
اسی پاک رجمنٹ میں تھا وہ آپ
اسی جادۂ زندگی پر رواں
اسی روحِ بے باک کا ترجماں
گنر شیر خان، گنر شیر خان
رفیقوں نے ڈھونڈا یہاں اور وہاں
نہ دیکھا کسی نے مگر شیر خاں
کہ وہ آخری شام کام آ گیا
شہادت کا جام اس کے نام آ گیا

سقوط ڈھاکہ میں وطن کی حفاظت سے مجبور اور اسیر و زندان میں پریشان حال جوانوں کے بارے میں جذبات نگاری عمدہ الفاظ میں کی ہے:

افسوس کہ ہم نے توڑ دیے خود اپنے تیر کمانوں میں
اس چاند نے اور بھی چمکایا جو درد چھپا تھا جانوں میں

بقول حسرت کاسگنجوی: ''اصل بات کو اس کی تمام تر سچائی کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں۔'' (۱۸)

وہ جنگ کے بجائے امن کے خواہاں ہیں۔ وہ اسلام جیسے امن پسند مذہب کے تحت یہ بات اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ مسلمان صرف اس وقت ہتھیار اٹھاتا ہے جب اسے اپنا دفاع کرنا ہو۔ مسلمان جنگ وجدل، لوٹ مار اور قتل وغارت سے باز رہتا ہے کیونکہ جنگوں کا نتیجہ سوائے ہولناک تباہی کے اور کچھ نہیں ہے۔ ان کی نظم ''من مندری'' جنگ کے تباہ کن اثرات پر روشنی ڈالتی ہے اور جنگ کے خلاف آواز بلند کرتی نظر آتی ہے:

قتل نہتے لوگ ہوئے
جنگ تھی تیراندازوں میں
جانے چھوٹے گی کب جاں
دارا اور سکندر سے

سید ضمیر جعفری ایک فوجی جوان ہونے کے باوجود اس بات کو سمجھتے ہیں کہ جنگ امن کا اشاریہ نہیں، جنگ کسی بھی صورت انسانوں کے مفاد میں نہیں، جہاں تک ممکن ہو جنگ سے بچنا چاہئے:

ایٹمی لڑائی میں فتح لافِ بے معنی
جنگ جیتنی ہے تو جنگ کو نہ ہونے دو
دل کے زخم سینے دو آدمی کو جینے دو

جہاں تک ان کی مزاحیہ شاعری کا تعلق ہے اس حوالے سے بھی انھوں نے ہر شعر میں دلچسپی اور شگفتگی کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بقول حسن اختر ملک: ''اکثر صورتِ احوال واقعی کو دلچسپ انداز سے پیش کر دیتے ہیں۔'' (۱۹)

ضمیر جعفری نے جہاں اور بہت سے موضوعات کو مزاح میں بیان کیا ہے وہاں جنگ اور فوجداری کا ذکر بھی دل چسپ انداز میں کیا ہے:

ضرورت بے ضرورت لڑ گئے جو سامنے آیا
سیاست میں مسلمانوں نے اکثر فوجداری کی (۲۰)

ان کی تحریر میں دلچسپی کے عناصر کی وجہ سے قاری کو پڑھتے ہوئے کہیں بھی بوریت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ بقول ڈاکٹر سلیم اختر:

''وہ زندگی کی چھوٹی چھوٹی سی باتوں سے مزاح پیدا کرنے کے گُر سے بھی آگاہ ہیں۔'' (۲۱)

ایک اور نظم دھرتی پر پتلون سمیٹ میں فرماتے ہیں:

بھاگے پاک زمین سے دور
ہند کے تین ڈویژن سور
الٹے پاؤں سرپٹ گام
لام پہ آئے تولا رام

گرم ہوا گھمسان کا رن
واہگہ سے تا کھیم کرن

سید ضمیر جعفری نے ملی، قومی، سنجیدہ، طنزیہ ومزاحیہ شاعری، نثر نگاری، سفر نامہ نگاری، خاکہ نگاری، یادداشت نگاری، کالم نگاری غرض یہ کہ جس ادبی میدان میں بھی قدم بڑھایا تو بڑی کامیابی کے ساتھ اس میدان میں فتوحات کے جھنڈے گاڑ دیے بطور خاص مزاح میں تو ان کا اپنا اسلوب ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے ہم عصر ادیبوں میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ وہ ایک صلح جو انسان تھے اور ہمیشہ قومی اور ملی جذبات کو ملک وعوام کی سلامتی کے لیے لفظوں اور شعروں کا قالب عطا کرتے رہے۔

حوالہ جات

۱۔ منیر احمد سلیچ، ڈاکٹر، وفیاتِ اہلِ قلم، اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۲۰۰۸ء، ص: ۲۴۳

۲۔ غفور شاہ قاسم، ڈاکٹر، پاکستانی ادب ۱۹۴۷ء سے تا حال، لاہور: بک ٹاک، ۱۹۹۵ء، ص: ۱۰۱

۳۔ منیر احمد سلیچ، ڈاکٹر، وفیاتِ اہلِ قلم، ص: ۲۴۳

۴۔ عابد سیال، ڈاکٹر، ضمیر زندہ، راولپنڈی: سید ضمیر جعفری فاؤنڈیشن، ۲۰۱۱ء، ص: ۶۰

۵۔ ضمیر جعفری، سید، کارزار، گجرات: پنجاب پریس، ۱۹۴۰ء

۶۔ ضمیر جعفری، سید، لہو ترنگ، لاہور: اردو پریس، ۱۹۶۵ء

۷۔ عرفان اللہ خٹک، ڈاکٹر، سید ضمیر جعفری شخصیت اور فن (پاکستانی ادب کے معمار)، اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۲۰۱۷ء، ص: ۶۳

۸۔ میری گزارش از ضمیر جعفری، لہو ترنگ، ص: ۱۳

۹۔ ضمیر جعفری، سید، میرے پیار کی زمین، راولپنڈی: آرمی ایجوکیشن پریس، ۱۹۷۵ء

۱۰۔ ضمیر جعفری، سید، گنر شیر خان، کراچی: سندھ سوسائٹی، ۱۹۷۰ء

۱۱۔ ضمیر جعفری، سید، زبورِ وطن، لاہور: مکتبہ کارواں پریس، ۱۹۸۲ء

۱۲۔ ضمیر جعفری، سید، قریۂ جاں، راولپنڈی: اپنا ادارہ، ۱۹۸۸ء

۱۳۔ ضمیر جعفری، سید، جنگ کے رنگ، لاہور: مکتبہ کاروان ۱۹۵۳ء، ص: ۱۷

۱۴۔ ضمیر جعفری، سید، عالمی جنگ کی دھند میں، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۶۸

۱۵۔ آغا اشرف، جہادِ پاکستان، لاہور: مکتبہ القریش، ۱۹۸۶ء، ص: ۳۸۸

۱۶۔ وزیر آغا، اردو ادب میں طنز ومزاح، علی گڑھ: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۷ء، ص: ۴۰۶

۱۷۔ شہزاد منظر، ادب میں انتہا پسند رجحانات، مشمولہ: فنون، لاہور: نومبر دسمبر ۱۹۹۱ء، ص: ۱۴

۱۸۔ عبدالحق حسرت کاسگنجوی، ڈاکٹر، سید ضمیر جعفری کے تیر و نشتر، مشمولہ: ادب اور اقدار، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۹۸ء، ص: ۱۵۶

۱۹۔ حسن اختر ملک، تاریخ ادب اردو، لاہور: یونیورسٹی بک ڈپو، ۱۹۷۹ء، ص: ۱۱۷۴

۲۰۔ ضمیر جعفری، سید، نشاطِ تماشا، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء، ص: ۸۲۹

۲۱۔ اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، تیسواں ایڈیشن، ۲۰۱۳ء، ص: ۶۸۰